آدم خوری

(از — سید اسعد گیلانی)

انسان اجتماعی زندگی کا عادی ہے اور جنگلوں اور غاروں میں تنہائی کی زندگی اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ ویسے بھی آخرت کے نقطۂ نظر سے دُنیوی زندگی میں اس کے امتحان کا تعلق اجتماعی زندگی اور اس کے دیگر لوازمات سے ہی وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجرّد کے بجائے عائلی زندگی سے انسانی نسل کا آغاز کر کے اجتماعیت کو اس کی فطرت میں داخل کر دیا ہے۔ اخلاقِ فاضلہ کی ترقی و نشوونما بھی اجتماعی زندگی پر ہی منحصر ہے اور انسان ضبطِ نفس، تزکیۂ نفس اور طہارتِ نفس کے مختلف مدارج طے کر کے انسانیت کے اعلیٰ مدارج پر اجتماعی زندگی میں حقوق و فرائض کی بہتر اور عمدہ ادائیگی سے ہی فائز ہو سکتا ہے۔

لیکن اجتماعی زندگی کی بیماریاں بھی بہت سی ہیں۔ افراد کو اللہ تعالیٰ نے کم و بیش صلاحیتوں اور خصوصیات کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ ذہانت، محنت، صحت، دولت، جذبۂ خلوص، جرأت و شجاعت، ایثار و قربانی غرض بے شمار خوبیاں انسانوں میں مختلف مقداروں میں تقسیم ہیں۔ ان مقداروں کی کمی بیشی میں انسان اللہ کی قدرت، مصلحت اور حکمت بھی تلاش کر سکتا ہے اور اپنا اور دوسروں کا حاسدانہ مقابلہ کر کے اخلاقِ رذیلہ کی مختلف بیماریوں میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے۔ اللہ کے رسولؐ جانتے تھے کہ انسان میں ایسی کمزوریاں طبعاً موجود ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نفسیاتِ انسانی کے بگاڑ کا حکیمانہ علاج کرنے کے لیے ایک عظیم کلمۂ حکمت نصیحت کے طور پر فرمایا۔

"دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر دیکھو اور دُنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے کی طرف"

اگر کوئی شخص یہ ایک ہی کلمۂ حکمت اپنی زندگی کا موٹو بنا لے تو وہ متعدد اجتماعی بیماریوں میں مبتلا ہونے سے بچ سکتا ہے۔ جن میں ایمان کو جڑ سے مونڈ دینے والی بیماری حسد بھی شامل ہے۔ پھر رشک، مقابلہ، دل کی جلن اور تپش بھی ہیں۔ دُنیاداری میں مسابقت کا جذبہ، معیارِ زندگی کی دوڑ، دوسروں کے مقابلے میں اپنی برتری کا احساس و اظہار اور ان چیزوں کے ساتھ ساتھ فتنۂ مسابقت اور فتنۂ مناصب بھی شامل ہیں۔ جب یہ اجتماعی بیماریاں کہیں پیدا ہو جائیں تو ان کے نتیجے میں ایک نہایت گھناؤنی، مکروہ، متعفن اور ناپاک بیماری نمودار ہوتی ہے جسے غیبت کہتے ہیں۔ یا موزوں ترین الفاظ میں جسے "آدم خوری" بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ میٹھا زہر منہ سے نکلتا، کان میں ٹپکتا اور دل کو زخمی کر دیتا ہے۔ اس کے اثرات بڑھ جائیں تو اس سے اجتماعی زندگی کا ماحول بجھا بجھا اور کھنچا کھنچا رہنے لگتا ہے۔

انسانی گوشت بڑا لذیذ ہے۔ اگر کسی کو انسانی گوشت کی چاٹ پڑ جائے تو پھر اس سے بمشکل چھوٹتی ہے۔ ایسا شخص پھر اپنے ہم پیشہ اور ہم احساس افراد کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ معاشرے کی بے حسی اور دوسروں کی آبرو سے بے نیازی سے فائدہ اٹھا کر پوری بیدردی اور بھیانک طریقے سے اجتماعی آدم خوری کا ایک سلسلہ ایک مشغلہ کی صورت میں شروع ہو جاتا ہے۔ دنیا کی بدترین، غلیظ ترین اور ناپاک ترین عادات بد میں سے یہ آدم خوری (غیبت) سب سے بدتر اخلاقی بیماری ہے۔ یہ انسان کی دماغی خباثت کی بگڑتی ہوئی متعفن پیپ کا مظہر ہوتی ہے۔

غیبت کی یہ بدعادت انسانوں کے تعلقات کو تباہ کرنے والی، انسانی عزوشرف کو برباد کرنے والی اور انسانوں کے دلوں کو پھاڑ کر انہیں ایک دوسرے سے بہت دُور کر دینے والی انتہائی گھناؤنی اور زہریلی حرکت ہے۔ قرآن کی تشبیہ میں اُسے اپنے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے میں بھی اسے آدم خوری کا نام ہی دیتا ہوں۔

ہمارا موجودہ معاشرہ اسلامی اخلاقی اقدار سے بتدریج اور مسلسل محروم ہوتا چلا گیا ہے۔ اسلام کے بلند معیارِ اخلاق سے محرومی کے سبب اس میں شجاعت و جرات کے بجائے دَبّو پن آگیا ہے اور آدم خوری کی اس بیماری کے لیے دبّو پن کا ماحول بہت سازگار رہتا ہے۔ بعض اوقات یہ بیماری مروجہ اصطلاح میں دنیادار لوگوں کے مقابلے میں دین دار لوگوں میں زیادہ آسانی سے پرورش پا جاتی ہے۔ یہ روئی میں سلگتی آگ کی مانند پھیلتی جاتی ہے اور اکثر حالات میں جو شخص یارانِ جفا پیشہ کے دندانِ آز کا شکار اور لوگوں کی ضیافتِ طبع کا نشانہ بن رہا ہوتا ہے وہی اس صورتِ حال سے سب سے زیادہ بے خبر بھی ہوتا ہے۔

بلاشبہہ حرام خوری بھی ایک مکروہ حرکت ہے۔ لیکن آدم خوری تو ابنِ آدم کے لیے پستی کا اسفل ترین درجہ ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے موجودہ معاشرے میں آدم خوروں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ ہر کہیں آدم خوری پائی جاتی ہے۔ اور لوگ اس قبیح عادت میں اس طرح مبتلا ہو جاتے ہیں جیسے وبائے عام کے دنوں میں کھانسی، نزلہ اور ملیریا پھیل جاتا ہے۔ کوئی مجلس آدم خوروں سے خالی نہیں ہوتی اور جہاں کہیں دو چار آدمی جمع ہوں ان میں کوئی نہ کوئی آدم خور ضرور سرپا پایا جاتا ہے۔ یہ وبا ایسی عام ہوئی ہے کہ بستیاں، بھیڑیوں اور درندوں کے بھٹ بن کر رہ گئی ہیں۔ یہی وہ آدم خوری ہے جسے قرآن نے اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (الحجرات - ۱۲)

ترجمہ: بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ دیکھو، تم خود اس سے نفرت کرتے ہو۔ اللہ سے ڈرو وہ رجوع فرمانے والا اور رحیم ہے۔

دُنیا کی دیگر قوموں کے لیے اجتماعیت قائم کرنے کی بہت سی بنیادیں ہیں۔ کہیں قومیت کی بنیاد نسل ہے۔ کہیں وطن ہے۔ کہیں زبان اور رنگ ہے۔ غرض کئی قسم کے محسوس اور مادی اشتراک سے قربیں وجود میں آجاتی ہیں۔ لیکن مسلم قوم جو معاشرہ وجود میں لاتی ہے اس کے پاس ان میں سے کوئی ایک وجہ بھی قومیت کی بنیاد نہیں بن سکتی اور اگر کہیں کوئی مسلم آبادی ان وجوہ میں سے کسی ایک کو قومیت کی بنیاد بنانا بھی چاہے تو بالآخر وہ ملت اسلامیہ کے بین الاقوامی وجود سے کٹ جاتی ہے۔ مسلم ملت کے بنیادی عوامل تو توحید و رسالت کا اقرار اور اسلام کے معروفات پر عمل اور منکرات سے اجتناب کا اہتمام ہے۔ انہیں عوامل سے ایک مخصوص تہذیب ایک مخصوص سانچہ اور ایک مخصوص طرز کا انسان وجود میں آتا ہے۔ جسے مسلمان کہا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا معاشرہ اپنے مزاج کے لحاظ سے خالص نظریاتی بنیادوں پر کھڑا ہوتا ہے۔ نظریات کا تعلق ہمیشہ انسان کے تصورات اور کردار سے ہوتا ہے۔ جغرافیائی، لسانی یا نسلی عوامل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے ایک مسلم معاشرے کی اجتماعیت جو نظریات اور جذبات پر قائم ہوتی ہے، جہاں ایک طرف انتہائی مضبوط ہے کہ زمان و مکان کی حد بندیاں اس کے لیے روک نہیں بن سکتیں وہاں انتہائی نازک بھی ہے کہ ظاہری محسوس عصبیتوں میں سے کوئی عصبیت بھی اس کا سہارا نہیں بن سکتی۔ جہاں خدا اور رسولؐ سے گہری محبت اور کائنات سے متعلق ایک خاص نظریہ مختلف نسل اور رنگ اور ملک کے دو انسانوں کو باہمی گہری محبت میں جوڑ دیتا ہے وہیں ان امور کا اختلاف ان دونوں کو باہمی ایسا کاٹ سکتا ہے کہ ان کی شناسائی بھی محلِ نظر ہو جائے۔ اشتراکِ نظریات و جذبات سے یہ معاشرہ وجود میں آتا ہے اور اختلافِ نظریات و جذبات سے اس کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ معاشرے کی اجتماعی ہیئت کو منتشر اور مجروح کرنے والی تمام چیزوں کی اسلام نے شدید مذمت کی ہے۔ جھوٹ بُرا ہے کہ وہ اجتماعی ہیئت کے اندر بے اعتمادی کے جراثیم پرورش کرتا ہے۔ وعدہ خلافی اجتماعی زندگی کا اعتبار کھو دیتی ہے۔ خیانت اور بددیانتی، اجتماعی جھگڑے فساد پیدا کرتی ہے۔ غداری اور دغا بازی سے معاشرے پر سخت ابتلا وارد ہو سکتا ہے۔ بہتان سے دل پھٹ جاتے اور افراد ایک دوسرے سے

کٹ جاتے ہیں۔ چغلخوری سے سینوں میں کدورتیں بھر جاتی ہیں جن کو رفع کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ غیبت اور بدگوئی سے نفرت کا زہر فرد فرد میں سرایت کر جاتا ہے۔ دو رُخے پن سے مسلمان کا مسلمان پر سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ بدگمانی سے دلوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ خوشامد سے انسان ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔ تنگ دلی سے طبیعت میں کمینہ پن آ جاتا ہے۔ فخر و غرور سے انسان ہمدردیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ غرض وہ سب باتیں جو انسانی نفسیات کو پراگندہ کر کے اجتماعیت کو بگاڑنے والی ہیں ان سب پر اسلام نے "رذائلِ اخلاق" اور "منکرات" کا لیبل لگا کر انہیں اسلامی معاشرے میں پرورش پانے سے روک دیا ہے۔ اور جو کوئی ان میں سے کسی بھی اجتماعیت کش بیماری کو پرورش کرتا ہوا نظر آئے اس پر سختی سے نگاہ رکھنے اور بازپرس کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور معاشرے کا اجتماعی مزاج ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے کہ ایسے مکروہات کی مزاحمت کرے اور جو کوئی اس آفت میں مبتلا ہو جائے اس کی ہمت شکنی بھی کرے اور اسے معاشرے میں مکروہ بنا کر رکھے۔

اخلاق کی ان بھیانک بیماریوں میں جن میں سے ہر ایک اجتماعیت پر سخت وار کرنے والی اور مسلمان کو مسلمان سے توڑنے والی ہے بدترین بیماری غیبت نجوی اور بدگوئی ہے یعنی کسی کو اس کی پیٹھ پیچھے بُرا کہنا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی اجتماعیت کو جس قدر نقصان اس سے پہنچتا ہے اتنا نقصان کالا ناگ بھی اپنے شکار کو نہیں پہنچا سکتا۔

اس کا سب سے پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ بیماری متعدی ہو جاتی ہے۔ ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو لگتی ہے۔ ہر ایک کبھی ہمدردی، کبھی افسوس، کبھی تاسّف، کبھی غصّے اور کبھی اصلاح کی نیت خیر سے گندگی کی اس پوٹ کو چپکے چپکے معاشرے کے مختلف افراد کے درمیان لڑھکاتا چلا جاتا ہے۔ شخصِ متعلق جو زیرِ بحث ہوتا ہے ممکن ہے کہ اس آفت سے کافی عرصے تک واقف نہ ہو کر اس کے گوشت کو یار لوگ مزے سے چپکے چپکے تناول فرما رہے ہیں۔ بالعموم وہ آخری آدمی ہوتا ہے جسے اطلاع ملتی ہے کہ اس میں فلاں خرابی ہے جو مجالس میں زیرِ بحث ہے۔ لیکن وہ خود اس کی طرف سے بے خبر ہے۔ جب اسے خبر ہوتی ہے تو جس ذات شریف نے اس کے بارے میں گندگی کی پوٹ لڑھکائی تھی وہ کتنوں کے ہی دامنوں کو آلودہ اور دلوں کو کبیدہ کر چکی ہوتی ہے اور اس کے بس سے یہ بالکل ہی باہر ہوتا ہے کہ وہ نامعلوم افراد کے دلوں کے نامعلوم کانٹے چُنتا پھرے۔ اور اگر چُننے بھی تو اس کی اس کوشش کو مخلصانہ سمجھا جائے گا یا مشتبہ، یہ خود اس پر بھی واضح نہیں ہوتا۔ چنانچہ کانٹے بکھرتے رہتے ہیں اور دلوں میں چُبھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ معاشرے کے اندر اس شخص کا حلقۂ تعارف اس کے لیے بھڑوں کا چھتہ بن جاتا ہے اور ہر راستہ کانٹوں سے پُر ہو جاتا ہے۔ اس کی مدد کرے تو کون کرے؟ اگر شبہات کا شیطان مددگار

پر بھی حملہ کر دے تو پھر کیا ہو؟ یہ خدشات قائم رہتے ہیں اور وہ شخص شک و شبہ کے پتھروں سے سنگسار ہوتا رہتا ہے اس اجتماعی نفسیاتی بیماری کا علاج کسی کے بس میں نہیں ہوتا اور جس ظالم نے اپنے بھائی کا گوشت معاشرے میں تقسیم کیا ہوتا ہے اگر اس کا چہرہ تانبے کے ناخنوں سے بھی نوچا جائے اور اس کی انتڑیاں تانبے کی سلاخوں سے بھی نکال نکال کر پھینک دی جائیں اور یہ عمل برسوں تک ہو تو بھی یہ انفرادی سزا اس اجتماعی کوفت اور تکلیف کا مداوا نہیں بن سکتی جو مجرم کی زبان کے چند غیر محتاط اور زہریلے الفاظ نے کسی کو پہنچائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے اس قبیح حرکت کو زنا سے بدتر قرار دیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا "غیبت زنا سے بدتر ہے"۔ صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ زنا سے زیادہ بُری کیونکر ہو سکتی ہے"۔ آپ نے فرمایا "آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ پھر زانی توبہ کرتا ہے اور اللہ اس کو بخش دیتا ہے، لیکن غیبت کرنے والے کو خدا نہیں بخشتا جب تک کہ وہ شخص اس کو معاف نہ کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے"۔ حضرت انسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "زانی توبہ کرتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کے لیے توبہ نہیں ہے"۔ (بیہقی)

جو شخص کسی کی غیبت کرتا ہے حقیقت میں وہ اس کی عزت اور آبرو کو اس کی غیر موجودگی میں معاشرے میں جگہ جگہ نوچتا پھرتا ہے جب کہ وہ غریب ایک مُردے کی سی بے بسی سے اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکتا۔ یہی اس کی عزت و آبرو کو جگہ جگہ نوچنے کا فعل ہے جس کی سزا کو تمثیلاً حضورؐ نے معراج کے موقع پر دیکھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"جب مجھے معراج کرایا گیا میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا جس کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے کہا جبرئیلؑ یہ کون لوگ ہیں انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی آبروریزی کرتے ہیں"۔ (ابوداؤد)

غیبت جس کی بھی کی جاتی ہے اس کی بے خبری اور پیٹھ پیچھے کی جاتی ہے اس وجہ سے اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنے خلاف کہی جانے والی بات کی تردید کر سکے یا اس کی صحیح صحیح نوعیت جان سکے اور حقیقت کی وضاحت کر سکے۔ اس لیے جو بھی اس کے بارے میں کوئی بات سُنتا ہے اگر ناپختہ مزاج ہوتا ہے تو اس کے دل میں بھی کچھ نہ کچھ کدورت اور غبار اس کی طرف سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے بہت کم بلکہ شاذ و نادر ہی لوگ پائے جاتے ہیں جو مخاطب کی بات سُن کر اس پر گرفت کریں، اس سے ثبوت طلب کریں یا اسے پکڑ کر اس شخص کے پاس رُو در رُو لے جائیں جس کی غیبت

کی جا رہی ہوتی ہے۔ حالانکہ معاشرے کے افراد میں یہی چیز مطلوب ہے جو معاشرے کو غیبت کی زہریلی بیماری سے بچا سکتی ہے۔ چنانچہ یہ کدورت آگے چل کر غیر محسوس طور پر انقباض، کراہت اور بالآخر نفرت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور غیبت کرنے والے نے جو شبے کا بیج بویا تھا وہ نفرت کا درخت بن کر اور تعلقات کی سخت کشیدگی کے برگ و بار لاتا ہے۔

سینے کدورتوں سے بھر جاتے ہیں اور دل خلوص و محبت سے خالی اور مہر و وفا سے تہی ہو کر بجھ جاتے ہیں اور کوئی بڑا سے بڑا انسان بھی عالم الغیب نہیں ہوتا کہ معاملے کی صحیح صورت کو جان سکے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ اکرم نے فرمایا۔

"میرے اصحاب میں سے کوئی کسی کے بارے میں مجھے کوئی بات نہ پہنچائے۔ اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ میری ملاقات تم لوگوں سے اس حال میں ہو کہ میرا سینہ ہر ایک سے صاف ہو" (ترمذی)

زبان کی حفاظت ایک بڑا مشکل امر ہے اور انسان جب کسی سے کسی بنا پر کبیدہ خاطر ہوتا ہے تو اس کے بارے میں اس کی زبان کا محفوظ رہنا بڑا مشکل کام ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت سہیلؓ بن سعد کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔

"جو شخص مجھ سے اس کا عہد کرے کہ وہ اپنے دونوں کلّوں کے درمیان کی چیز (زبان) اور اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کی چیز (شرم گاہ) کی حفاظت کرے گا اور لوگوں کو برا نہ کہے گا، نہ کسی کی برائی اور غیبت کرے گا اور بدکاری اور زنا سے بچے گا تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دوں گا" (بخاری)

چنانچہ اس کی حفاظت کے لیے حضورؐ اکرم نے ایک نفسیاتی تدابیر حضرت ابوذرؓ کو بتائی۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔

"جب کسی کی عیب گیری کا خیال تیرے دل میں پیدا ہو تو اس کے اظہار سے تجھ کو یہ خیال روک دے کہ مجھ میں بھی کچھ عیب ہیں" (بیہقی)

ایک دوسرے موقع پر جیسی بات سُنی ویسی ہی آگے چلا دینے کی عادت کو روکنے کے لیے حضورؐ نے فرمایا۔

"انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جو کچھ سُنے اسے بلا تحقیق آگے بیان کر دے" (مشکوٰۃ)

اور یہ کہ

"قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بہت بُرے لوگوں میں تم ان کو پاؤ گے جو دو رُخے ہوں۔ یہاں اُس کی بات کر دی اور وہاں اِس کی بات کر دی" (نسائی)

اور یہ کہ حضورؐ نے فرمایا۔